eISSN: 2791-0342
pISSN:2791-0334

اُردو شاعری میں طنز و مزاح کی روایت کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ

A research and critical review of the tradition of satire and humour in Urdu poetry

Dr Muhammad Shahbaz

Assistant Professor, Govt Islamia Graduate College, Civil lines, Lahore

ڈاکٹر محمد شہباز

(اسسٹنٹ پروفیسر، گورنمنٹ اسلامیہ گریجوایٹ کالج، سول لائنز، لاہور)

Abstract:

In Urdu poetry, the style of satire and humour is a prominent art. The initial impressions of humor in Urdu literature seem to be influenced by Persian poetry, but gradually the writers of Satire and satire and humour in Urdu literature adapted this art to modern requirements and made it not only a permanent part of their expression, but also new ways in this art. Since its beginning, the tradition of the art of satire and humour seems to be progressing, in which the beauty of the gradual evolution can be felt. In the article under study, scribe has tried to present this gradual tradition of Urdu poetry in a research and critical manner.

Keywords:

Satire, Humour, Wit, Poetry, Ameer Khusro, Jafar Zatli, Ghalib, Akbar, Iqbal

عربی زبان کی ایک مشہور مثل ہے کہ گفتگو میں مزاح کی وہی حیثیت ہے، جو کھانے میں نمک کی۔ اغلباً اِسی لیے مزاحیہ شاعری کو ”نمکین شاعری“ بھی کہا جاتا ہے۔ اُردو زبان جسے مختلف زبانوں، یعنی عربی فارسی، ترکی، پنجابی، انگریزی، فرانسیسی اور سنسکرت ایسی زبانوں کے اثرات کا نتیجہ قرار دیا جاتا ہے، لیکن اِس امر میں کوئی دوسری رائے نہیں کہ اُردو زبان کی غالب حد تک تعمیر و تشکیل عربی اور فارسی زبان و ادب کے خمیر سے ہوئی ہے، اِس لیے اِن دونوں زبانوں میں پائے جانے والے مختلف روّیوں اور رجحانات نے اُردو زبان کو سب سے زیادہ متاثر

کیااورانھی دونوں زبانوں کے موضوعات وروایات کے اُردو زبان میں واضح اثرات بھی دکھائی دیتے ہیں۔خاص طور پر اُردو ادب میں فارسی کی چال میں وہی زاہد، عابد، شیخ، محتسب، ملا، برہمن، رقیب اور ناصح سے چھیڑ چھاڑ کی مزاحیہ روِش بہ خوبی محسوس کی جاسکتی ہے۔بلاشبہ طنزومزاح کے اِس روّیے میں شخصی اور سماجی ہجونگاری کو زیادہ مقبولیت حاصل ہوئی، جس میں ذاتی انتقام کے علاوہ اجتماعی نقائص کو آشکار کرنے کا رجحان بھی ملتا ہے، لیکن ڈاکٹر عبادت بریلوی (۱۹۲۰ء۔۱۹۹۸ء) کا کہنا ہے کہ:

"اُردو ادب میں ایک زمانے تک کوئی معقول قسم کی مزاح نگاری نظر نہیں آتی۔شروع شروع میں تو اِس فن کا بالکل ہی فقدان ملتا ہے، سودا سے قبل کا جو ادب ہے، اُس میں مزاح نگاری کا کہیں پتہ نہیں۔"(۱)

ڈاکٹر عبادت بریلوی کی مندرجہ بالا رائے سے اختلاف کی واضح گنجائش اِس لیے موجود ہے، کیوں کہ مرزا محمد رفیع سودا(۱۷۱۳ء ۔۱۷۸۱ء) سے قبل (ریزہ خیالی کی صورت میں ہی سہی)، مگر طنزومزاح کے چیدہ چیدہ منتشر نمونے آثارالصنادید کی صورت میں مل جاتے ہیں اور سب سے بڑھ کر امیر خسرو(۱۲۵۳ء۔۱۳۲۵ء) اور جعفر زٹلی (۱۶۶۵ء۔۱۷۱۳ء) کا کلام ڈاکٹر موصوف کے بیان کے رد میں دفاع کے طور پر کافی ہے۔اِس ضمن میں غلام احمد فرقت کاکوروی(۱۹۱۰ء۔۱۹۳۷ء) کی رائے بڑی مبنی بر حقیقت معلوم ہوتی ہے:

"اُردو شاعری میں سب سے پہلے ہم کو ظرافت کا پر تو واعظ اور محتسب پر طنز کی صورت میں اُس وقت ملتا ہے جب اُردو زبان کے منہ سے دودھ کی بو آتی ہے اور جب اُردو شعرا کا کلام نیم فارسی یا نیم ہندی کے گہوارے میں پروان چڑھ رہا تھا۔"(۲)

اُردو میں بھی دیگر زبانوں کی طرح تخلیقی ادب کا آغاز شعر وشاعری سے ہوا۔نتیجہ معلوم اُردو میں طنزومزاح کی شروعات بھی شاعری سے ہوئی۔اُردو طنزومزاح کی روایت کے ابتدائی ایام میں امیر خسرو(۱۲۵۳ء۔۱۳۲۵ء) نے پہیلیاں، کہہ مکرنیاں، انمل، ڈھکوسلے اور دوسخنے کہہ کر مسرت وراحت کا سامان فراہم کیا۔امیر خسرو کی پہیلیاں اور زبان وبیان گویا ہر لحاظ سے بہت دل چسپ ہیں کہ اِن میں سنجیدگی اور متانت کے ساتھ ساتھ ہلکی ہلکی ظرافت بھی پائی جاتی ہے،(۳) لیکن چوں کہ امیر خسرو سے منسوب کلام کسی قابلِ اعتبار ذرائع یا سند سے ہم تک نہیں پہنچا، اِس لیے امیر خسرو کو اوّلین مزاح نگار قرار دینے میں ذرا تامل ہوتا ہے، تاہم کہہ مکرنی کی صورت میں امیر خسرو کے ہاں لطیف نوعیت کے مزاح کا ایک نمونہ ملاحظہ کیجیے، جو خالص امیر خسرو ہی کی ایجاد ہے:

اونچی اٹاری پلنگ بچھایا　　　میں سوئی میرے سر پر آیا
کھل گئیں انکھیاں بھئی انند　　　سکھی کوئی ساجن نا سکھی وچند

اِسی طرح شہنشاہ اکبر(۱۵۴۲ء۔۱۶۰۵ء)کے دور میں ملادوپیازہ(۱۵۴۰ء۔۱۶۶۰ء)جس کی بذلہ سنجی اور حاضر جوابی آج بھی ضرب المثل کی حیثیت رکھتی ہے(۴)،اُس کی خدمات کو بھی فراموش نہیں کیا جا سکتا،تاہم امیر خسرو کے بعد طنزومزاح کے حوالے سے یہ سند کلام کا حامل عہدِ عالم گیری کا"بے باک"اور"بے لگام"(۵)ہزال شاعر میر جعفر زٹلی(۱۶۶۵ء۔۱۷۱۳ء)ہی قرار پاتا ہے۔

قابلِ غور امر یہ ہے کہ زٹلی کا اسلوبِ بیان ہی طنزیہ ومزاحیہ نہیں،بل کہ اُس نے اپنے عہد کی سیاست و معاشرت پر بھی کھل کر نشتر زنی کی ہے۔یوں اُردو ادب کو ابتدا ہی میں زٹلی ایسا طناز میسر آیا،جو طنز کی تاریخ میں ہمیشہ کے لیے امر ہو گیا۔(۶)موصوف ہجو،ہزل اور بے ہودہ گوئی کی تمام سرحدیں پار کر گئے اور اِسی کو اُنھوں نے اپنا ذریعۂ معاش بنا لیا،لیکن جعفر کی شاعری کا حوالہ جو ذاتیات کی شاعری سے متصل ہے،ادب کی شائستہ روایات میں بار نہ پا سکا۔(۷)موصوف جس امیر کے پاس بھی جاتے ہجو و ہزل پر مبنی اشعار جیب میں دھرے ہوتے۔اگر توقع کے مطابق انعام ملتا تو قصیدہ،ورنہ بہ صورت دیگر اُن کے غصے کا پارہ چڑھ جاتا اور وہ اپنے مخاطب کو ہزل و ہجو کہہ کر بدنام کرتے۔(۸) جعفر زٹلی ایک ایسے ناراض شخص کے رُوپ میں ہمارے سامنے آتا ہے،جو غصے کے عالم میں واہی تباہی بکتے ہوئے آپے سے باہر ہو جائے۔غرض کہ زٹلی کی ہجویات سے نہ صرف رؤسا بلکہ بادشاہ اور شہزادے بھی ڈرتے تھے۔(۹)ڈاکٹر محمد نعیم جنھوں نے میر جعفر زٹلی کا کلیات مرتب کیا ہے،اُن کا کہنا ہے کہ میر جعفر زٹلی کا کلام درحقیقت اُس عہد کی سماجی ابتری اور اخلاقی ابتذال کا آئینہ ہے،جس میں اُس دور کے حالات وواقعات کو بہ خوبی دیکھا جا سکتا ہے۔(۱۰)زٹلی اساسی طور پر ایک بے باک اور باغی طبیعت کا حامل شاعر تھے۔اُنھوں نے قلم کو تلوار کی طرح استعمال کیا۔وہ اُردو شاعری کی تاریخ میں پہلا شاعر تھا،جس نے شعر کی ڈھال سے وقت کے بڑے بڑے ایوانوں پر لرزہ طاری کر دیا۔زٹلی عوام کی مشکلات اور حکومت کی نالائقی کو کچھ اس ڈھب سے بیان کرتے ہیں:

ہنر مندان ہر جائی پھریں در در برسوائی
رزل قوموں کی بن آئی عجب یہ دور آیا ہے
نفر کی جب طلب ہووے غریب عاجز کھڑا رووے
میاں گھر میں پڑا سووے عجب یہ دور آیا ہے
سپائی حق نہیں پاویں نت نئی اٹھ اٹھ چوکیاں جاویں
قرض بنیوں سے لے کھاویں عجب یہ دور آیا ہے

جعفر زٹلی کے بعد مرزا محمد رفیع سودا(۱۷۱۳ء۔۱۷۸۱ء)ہی وہ شاعر ہیں،جن کے کلام میں طنزومزاح کو واضح طور پر محسوس کیا جا سکتا ہے۔خاص طور پر سودا جنھیں ظرافت ورثے میں ملی تھی۔(۱۱)سودا کے ہاں ہمیں جعفر زٹلی ایسا رنگ تو دکھائی نہیں دیتا،مگر اُن کے ہجویہ

قصیدے اور شہر آشوب سماجی تنقید کا رنگ لیے ہوئے ہیں، جن میں معاشرتی اصلاح کے واضح اشارے ملتے ہیں۔(۱۲) سودا کی ہجویہ نظموں میں جو شوخی اور لطافت پائی جاتی ہے، اُس کی بہ دولت اُن کی ہجویہ نظموں کے بعض حصے آج بھی ناقابلِ فراموش ہیں۔(۱۳) سودا کے طنز کا ایک نمونہ ملاحظہ کیجیے:

تقویٰ کا اس کے موسمِ گل نے کیا یہ رنگ
زاہد کو خانقاہ سے میخانے لے گیا

مرزا سودا کے بعد کلاسیکی شعرا کے درمیان معاصرانہ چشمک کا نیا دور شروع ہوا، جن کی حیثیت اُردو طنز و مزاح کی روایت میں کسی خوش گوار جھونکے سے کم نہیں۔ وہ اِس لیے کہ اِنھی معاصرانہ چپقلشوں کی بہ دولت نئے آنے والے مزاح نگاروں کو روایت کی صورت میں طنز و مزاح کی بیش بہا پونجی وراثت میں ملی، جس نے آنے والے زمانوں میں مزاح نگاروں کے لیے اخذ و قبول کا کام دیا۔ کم و بیش اِسی دور میں دبستانِ لکھنؤ میں جُرات (۱۷۴۸ء۔۱۸۰۹ء)، مصحفی (۱۷۵۱ء۔۱۸۲۴ء)، انشا (۱۷۵۲ء۔۱۸۱۷ء)، میر یار علی المعروف جان صاحب (۱۸۱۰ء۔۱۸۸۶ء)، سعادت یار خاں رنگین (۱۷۵۷ء۔۱۸۳۵ء)، بے کس اور ہدہد ایسے باکمالوں نے اپنے مخالف شعرا کے خوب لتے لیے، تاہم اِن میں سب سے نمایاں شاعر انشا اللہ خان انشا (۱۷۵۲ء۔۱۸۱۷ء) ہے، جس نے طنز و مزاح کو جگت بازی کے پیراہن میں شاعری کا جزوِ لا ینفک بنا دیا۔ انشا بے پناہ صلاحیتوں کا حامل شاعر تھا۔ طباعی، ذہانت، شوخ طبعی، حاضر جوابی اور بدیہہ گوئی میں اُس کا کوئی ثانی نہ تھا۔ بعض اوقات انشا کی چھیڑ چھاڑ، ہنسی اور دل لگی کی سرحد کو عبور کر کے تضحیک و تمسخر اور نیش زنی کی حدود میں داخل ہو جاتی تھی۔ مختصر یہ کہ انشا کے ہاں بیشتر حالات میں ظرافت ہجو کا لباس پہن لیتی ہے۔(۱۴) افسوس کا امر یہ ہے کہ مصحفی و انشا کے بعد اُن کے شاگردوں نے تو شاعری کو غلیظ گوئی کا اکھاڑا بنا دیا۔(۱۵) اِسی دور میں آتش و ناسخ اور انیس و دبیر کی باہمی چھیڑ چھاڑ کے ساتھ ساتھ اُن کے شاگردوں کے مابین ہونے والی شعری پنجہ آزمائی بھی طنز و مزاح کی روایت کا اہم حصہ ہے۔ یوں کہا جا سکتا ہے کہ اُردو ادب میں ایک زمانے تک طنز و مزاح کی روِش محض شخصی و ذاتی چشمکوں تک محدود رہی۔(۱۶) مثال کے طور پر مصحفی و انشا کے معرکے و مجادلے کا ایک نمونہ ملاحظہ کیجیے، جس میں انشا کہتے ہیں:

توڑوں گا خمِ بادۂ انگور کی گردن
رکھ دوں گا وہاں کاٹ کے اِک حور کی گردن

اِس پر مصحفی کا جواب ملاحظہ کیجیے:

گردن کی صراحی کے لیے وضع ہے ناداں
بے جا ہے خمِ بادۂ انگور کی گردن

انشانے جب لکھا کہ:

اے دیو سفید سحری کاش تو توڑے
اِک مکے سے جورِ شبِ دیجور کی گردن

توجواباً مصحفی یوں گویا ہوئے:

جو گردنیں باندھی ہے لا تجھ کو دکھا دوں
تو مجھ کو دکھا دے شبِ دیجور کی گردن

اِس کے بعد سرزمینِ آگرہ کے "چٹکلا باز شاعر"(۱۷) نظیر اکبر آبادی (۱۷۳۵ء۔۱۸۳۰ء)، جو مواجِ سمندر میں ایک سرسبز و شاداب جزیرے کی حیثیت رکھتے ہیں(۱۸)، اُنھوں نے اپنے ہم عصر شعرا سے اُلجھنے کے بجائے اپنے مخصوص عوامی اور تفریحی انداز میں تہذیبی و سماجی زندگی کی کم زوریوں پر کمال خوب صورتی سے چوٹیں کی ہیں۔ نظیر کے ہاں طنز و مزاح کے پُر تکلف نمونے چٹکیوں اور چٹکلوں کی صورت میں ملتے ہیں۔ اِس سلسلے میں "روٹی نامہ"، "پیسہ نامہ"، "تندرستی نامہ"، "جوگی نامہ"، "آدمی نامہ" اور "بنجارہ نامہ" ایسی طنزیہ منظومات کو اُن کی مزاحیہ شاعری میں خاص مقام حاصل ہے۔ نظیر کے ہاں پُر لطف طنز و مزاح کی ایک مثال دیکھیے:

پوچھا کسی نے یہ کسی کامل فقیر سے
یہ مہر و ماہ حق نے بنائے ہیں کس لیے؟
وہ سُن کے بولا بابا خدا تجھ کو خیر دے
ہم تو نہ چاند سمجھیں نہ سورج ہیں جانتے
بابا ہمیں تو یہ نظر آتی ہیں روٹیاں

نظیر کے بعد اُردو ادب میں طنز و مزاح نگاری کے حوالے سے سب سے معتبر نام مرزا غالب (۱۷۹۷ء۔۱۸۶۹ء) کا ہے، جنھوں نے طنز و مزاح نگاری کو ایک ایسا معیار بخشا، جس کی مثال آج بھی اُردو ادب میں پیش نہیں کی جا سکتی۔ بلاشبہ غالب سے قبل طنز و مزاح کی سرحدیں ابتذال و تمسخر سے پیوستہ نظر آتی ہیں، لیکن لطف کی بات یہ ہے کہ غالب نے اپنی خلّاق ذہانت کو فن کی لطافت اور حسنِ ادا سے متصل کر دیا۔ غالب کے کلام میں نہ صرف اعلیٰ معیار کا طنز و مزاح پایا جاتا ہے، بل کہ اُن کا مزاح ذاتی و انفرادی رنجشوں سے بالاتر ہو کر حیات و کائنات کی وسعتوں کو اپنے دامن میں سمیٹ لیتا ہے۔ غالب کے مزاح میں ایک نوع کی انفرادیت پائی جاتی ہے، جو دیگر مزاح نگاروں سے صریحاً مختلف ہونے کے ساتھ

ساتھ ارفعیت کی حامل بھی ہے۔اِس سلسلے میں وہ اعتقادات، اخلاقیات، زاہد و محتسب اور عاشق و معشوق کے علاوہ اپنی ذات کو بھی نشانۂ طنز بنانے سے نہیں چوکتے، لیکن واضح رہے کہ اُن کی شوخ نگاری پر متانت اور سنجیدگی کا سایہ مسلسل پرتو فگن رہتا ہے۔کلامِ غالب سے مزاح کی ایک دو مثالیں ملاحظہ کیجیے:

واعظ نہ تم پیو نہ کسی کو پلا سکو
کیا بات ہے تمھارے شرابِ طہور کی
جس میں لاکھوں برس کی حوریں ہوں
ایسی جنت کا کیا کرے کوئی

مرزا غالب کے بعد اٹھارھویں صدی کے ربع آخر اور انیسویں صدی کے آغاز میں اُردو شاعری لکھنؤ پہنچی۔اِس مصنوعی معاشرے میں غزل کی بگڑی ہوئی شکل، یعنی ریختی کا چلن عام تھا۔ ہجو اور ریختی کی اصناف نے صحت مند طنز و مزاح کے بجائے عورتوں کے حوالے سے جنسی تلذّذ اور ابتذال آمیز ہنسی مذاق کو رواج دیا۔یہ درست ہے کہ اِس صنف نے اُردو ادب کو انشا، جُرات، مصحفی اور رنگین ایسے ظریف شاعر بھی دیے، لیکن مقامِ افسوس یہ بھی ہے کہ اِس دبستان سے جس نوع کا مزاح تخلیق ہوا، اُسے طنز و مزاح کی روایت میں مستحب لفظوں میں یاد نہیں کیا جاسکتا۔ ریختی کی ایک دو مثالیں ملاحظہ کیجیے:

ہمسائی آئی تھی مرے گھر میں بنی ٹھنی
ان کو تو دیکھو رات اسی پر پھسل پڑے
دوا کھائی نہیں ہے گرم دائی کی تو پھر بتلا
دداکیوں پھوٹتی ہے یہ تری نکسیر آئے دن

طنز و مزاح کی روایت کا اگلا پڑاؤ اودھ پنچ (۱۸۷۷ء)، جس میں منشی سجاد حسین (۱۸۵۶ء۔۱۹۱۵ء)، اکبر الٰہ آبادی (۱۸۴۶ء۔ ۱۹۲۱ء)، مرزا مچھو بیگ ستم ظریف (۱۸۳۱ء۔۱۸۹۴ء)، تربھون ناتھ ہجر (۱۸۵۳ء۔۱۸۹۲ء)، منشی جوالا پرشاد برق (۱۸۶۳ء۔۱۹۱۱ء)، احمد علی شوق (۱۸۵۲ء۔۱۹۲۵ء)، احمد علی کسمنڈوی، نواب سید محمد آزاد (۱۸۴۶ء۔۱۹۱۶ء) اور رتن ناتھ سرشار (۱۸۴۶ء۔۱۹۰۳ء) ایسے باکمال شعرا نے خوب شہرت حاصل کی، تاہم اودھ پنچ کے ذریعے مشرق و مغرب کی آویزش کی آڑ میں دشنام طرازی اور اپنے مخالفین کی پگڑیاں اُچھالنے کا تضحیک آمیز روّیہ بھی شاعری میں در آیا۔ایک دو مثالیں ملاحظہ کیجیے:

بٹیر ایک دو ہاتھ ہی میں رہیں

کہ تا لوگ نواب صاحب کہیں

وہی محبوب بھٹیاری جو آگے تھی سو اب بھی ہے

وہی لہنگا وہی ساری جو آگے تھی سو اب بھی ہے

واضح رہے کہ مندرجہ بالا اودھ پنچ کے شعرا کے جلو میں اکبر الٰہ آبادی کا نام بھی بہت اہم ہے،جنھوں نے اپنی شاعری میں مشرقی اقدار وروایات کی پامالی کا نوحہ پیش کرتے ہوئے طنز ومزاح کو معیار کی اعلیٰ سطح سے نیچے نہیں گرنے دیا۔یہی وجہ ہے کہ اکبر کی ظرافت سے دل کو سچی خوشی اور روح کو اصل راحت میسر آتی ہے(۱۹)،لیکن یہ بات بھی ذہن نشین رہے کہ اکبر ایک ظریف انسان تو ضرور تھے،مگر ہزال یا فحاش ہر گز نہ تھے۔(۲۰)اُن کے کلام میں مزاح کی وہی صورت اور وہی معیار موجود ہے،جو ہمیں دنیا کے بڑے بڑے مزاحیہ شاعروں کے یہاں ملتا ہے۔(۲۱)اُن کا عہد قدیم تہذیب کے زوال اور تہذیبِ نو کے استقبال کی کش مکش کا دور تھا اور مغرب کی اندھی تقلید اپنی انتہائی حدوں کو چھو رہی تھی۔(۲۲)اکبر فطری طور پر ظریفانہ اور شوخ طبیعت لے کر پیدا ہوئے تھے،جس کا اُنھوں نے اپنے کلام میں بھرپور فائدہ اُٹھایا۔اُن کی ظرافت میں مذہب وملت اور تہذیب ومعاشرت کی اصلاح کے رنگ بہ خوبی محسوس کیے جاسکتے ہیں،اِس لیے یہ کہنے میں کوئی مضائقہ نہیں کہ اکبر کا کلام ایک تہذیبی تصادم کی یادگار ہے۔(۲۳)

بر گد کے مولوی کو کیا پوچھتے ہو کیا ہے

مغرب کی پالیسی کا عربی میں ترجمہ ہے

صحرا میں قیس کی یہ حماقت تو دیکھیے

ناقہ کی مینگنی تھی وہ سمجھا کہ بیر ہے

اکبر الٰہ آبادی کے بعد علامہ اقبال(۱۸۷۷ء۔۱۹۳۸ء)اُردو شاعری کی ظریفانہ روایت میں ایک اہم طنز نگار کی حیثیت سے وارِد ہوتے ہیں۔اقبال نے اکبر کے رنگ میں ظریفانہ کلام کہنے کی کوشش کی،مگر شاعری کے اِس انداز سے وہ سہی معنوں میں انصاف نہ کر سکے،اِس لیے اُنھوں نے جلد ہی اِس اندازِ شاعری کو ترک کر دیا،تاہم طنز کے کاٹ دار نشتر کلامِ اقبال میں بہ خوبی محسوس کیے جاسکتے ہیں۔کمال کی بات یہ ہے کہ اقبال کے طنز میں حسن اور رفعت بہ یک وقت موجود ہوتی ہے۔(۲۴)اقبال نے اپنی شاعری میں صوفی،ملا،خانقاہ،تہذیبِ مغرب اور غلامانہ ذہنیت رکھنے والوں کی خوب خبر لی ہے۔ذرا دیکھیے:

سنا ہے میں نے کل یہ گفتگو تھی کارخانے میں

پرانے جھونپڑوں میں ہے ٹھکانا دست کاروں کا

مگر سرکار نے کیا خوب کونسل ہال بنوایا

کوئی اس شہر میں تکیہ نہ تھا سرمایہ داروں کا

مختصر یہ کہ اکبر اور اقبال کے بعد جن شعرا نے طنز و مزاح کی روایت کو آگے بڑھایا، اُن میں ظریف لکھنوی (۱۸۷۰ء۔۱۹۳۷ء)، امام دین گجراتی (۱۸۷۰ء۔۱۹۵۴ء)، مولانا ظفر علی خان (۱۸۷۳ء۔۱۹۵۶ء)، محمد دین فوق (۱۸۷۷ء۔۱۹۴۵ء)، حسین میر کاشمیری (۱۸۷۷ء۔۱۹۶۲ء) حاجی لق لق (۱۸۹۴ء۔۱۹۶۱ء)، احمق پھپھوندی (۱۸۹۵ء۔۱۹۵۷ء)، شاد عارفی (۱۹۰۰ء۔۱۹۶۴ء)، سید محمد جعفری (۱۹۰۵ء۔۱۹۷۶ء)، نذیر احمد شیخ (۱۹۰۸ء۔۱۹۷۱ء)، خضر تمیمی (۱۹۰۹ء۔۱۹۷۶ء؟)، چونچال سیالکوٹی (۱۹۰۹ء۔۱۹۸۵ء)، غلام احمد فرقت کاکوروی (۱۹۱۰ء۔۱۹۷۳ء)، اکبر لاہوری (۱۹۱۰ء۔۱۹۷۶ء)، کنہیالال کپور (۱۹۱۰ء۔۱۹۸۰ء)، حکیم غلام نبی حکیم (۱۹۱۰ء۔۱۹۹۶ء)، آذر عسکری (۱۹۱۱ء۔۱۹۴۸ء)، راجہ مہدی علی خان (۱۹۱۲ء۔۱۹۶۶ء؟)، مجید لاہوری (۱۹۱۳ء۔۱۹۵۷ء)، ظریف جبل پوری (۱۹۱۳ء۔۱۹۶۴ء)، مرزا محمود سرحدی (۱۹۱۳ء۔۱۹۶۸ء) جب کہ جدید دور میں رئیس امروہوی (۱۹۱۴ء۔۱۹۸۸ء)، عبیر ابوذری (۱۹۱۴ء۔۱۹۹۷ء)، مخمور جالندھری (۱۹۱۵ء۔۱۹۷۹ء)، سید ضمیر جعفری (۱۹۱۶ء۔۱۹۹۹ء)، گستاخ گیاوی (۱۹۲۰ء۔۲۰۰۵ء)، مسٹر دہلوی (۱۹۲۳ء۔۱۹۸۸ء)، بلبل کاشمیری (۱۹۲۳ء۔۱۹۹۸ء)، شاہد الوری (۱۹۲۳ء۔۲۰۰۴ء)، امیر الاسلام ہاشمی (۱۹۲۳ء۔۲۰۱۳ء)، دلاور فگار (۱۹۲۸ء۔۱۹۹۸ء)، علامہ پاکٹ مار (۱۹۳۰ء۔۱۹۹۶ء)، ضیاالحق قاسمی (۱۹۳۵ء۔۲۰۰۶ء)، عنایت علی خان (۱۹۳۵ء۔۲۰۲۰ء)، سرفراز شاہد (۱۹۳۸ء۔۲۰۲۲ء)، نیاز سواتی (۱۹۴۱ء۔۱۹۹۵ء)، اطہر شاہ خان (۱۹۴۳ء۔۲۰۲۰ء)، مجذوب چشتی (۱۹۴۸ء۔۲۰۰۸ء)، محبوب عزمی (پ:۱۹۲۵ء)، ہر فن لکھنوی (پ:۱۹۳۳ء)، اسد جعفری (پ:۱۹۳۵ء)، سید اطہر جعفری (پ:۱۹۳۵ء)، انور مسعود (پ:۱۹۳۵ء)، طٰہٰ خان (پ:۱۹۳۶ء)، پروفیسر محمد عاشق حسین (پ:۱۹۳۸ء)، بیدل جون پوری (پ:۱۹۳۹ء)، ڈاکٹر انعام الحق جاوید (پ:۱۹۴۹ء)، محمد ممتاز راشد (پ: ۱۹۵۳ء)، خالد عرفان (پ:۱۹۵۷ء) اور خالد مسعود خان (پ:۱۹۵۹ء) کے نام خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ واضح رہے کہ جدید دور میں ظرافت نگاروں کا ایک ہجوم طنز و مزاح کی کلیاں کھلا رہا ہے۔ ان ظرافت نگاروں میں خالص طنز و مزاح نگار ادبا کی کمی نہیں، تاہم ظرافت نگاروں کے اس جلو میں ایسے تخلیق کار بھی ہیں، جو باقاعدہ مزاح نگار تو نہیں، لیکن پھر بھی ان کے ہاں شعوری یا غیر شعوری طور پر طنز و مزاح کے خوش رنگ شگوفے مل جاتے ہیں۔

بات کو سمیٹتے ہوئے کہا جا سکتا ہے کہ اُردو ادب میں اوّل اوّل امیر خسرو کے ہاں لطیف مزاح کے نمونے دکھائی دیتے ہیں۔ پھر ادبیاتِ اُردو میں فارسی زبان کے رنگ میں زاہد، عابد، شیخ، محتسب، ملا، برہمن، رقیب اور ناصح سے چھیڑ چھاڑ کی صورت میں طنزیہ و مزاحیہ روِش نے جعفر زٹلی ایسے شاعر کو شعوری طور پر طنز و مزاح تخلیق کرنے کی تحریک دی۔ جسے بعد میں مرزا محمد رفیع سودا، نظیر اکبر آبادی اور مرزا غالب نے کمال

خوبی سے نبھایا۔ بعد ازاں اودھ پنچ میں لکھنے والوں نے مزاح کو باقاعدہ اور شعوری سطح پر اپنے اظہارِ خیالات کا ذریعہ بنا کر اُردو ادب میں طنز و مزاح کی روایت کو مہمیز لگا دی، لیکن یہاں اس امر کی وضاحت بھی ناگزیر ہے کہ اودھ پنچ سے قبل طنزیہ و مزاحیہ شاعری فارسی شاعری سے بڑی حد تک متاثر تو ضرور دکھائی دیتی ہے، مگر اودھ پنچ کے بعض شعراء کے ہاں اجتہادی شعور کے امکانات کو بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ اِس ضمن میں اکبر الٰہ آبادی اور علامہ اقبال کی خدمات بھی قابلِ تحسین ہیں۔ مختصر یہ کہ فی زمانہ اُردو ادب میں تعلیم کی فراوانی، انگریزی ادب سے شناسائی اور نئے سے نئے نکتہ ہائے نظر کی بہ دولت بے شمار تخلیق کار طنز و مزاح کے اُسلوب کو اپنے اظہار کا ذریعہ بنائے ہوئے ہیں۔

حواشی و حوالہ جات

۱۔ عبادت بریلوی، ڈاکٹر، ہماری مزاح نگاری، مشمولہ: ساقی، ظرافت نمبر، اپریل ۱۹۴۵ء، ص ۳۷

۲۔ غلام احمد فرقت کاکوروی، اُردو ادب میں طنز و مزاح، ادارہ فروغِ اُردو، لکھنؤ، ۱۹۵۷ء، ص ۲۴

۳۔ اسد اریب، ڈاکٹر، بچوں کا ادب، کاروانِ ادب، ملتان، ۱۹۸۲ء، ص ۳۲

۴۔ محمود بریلوی، مختصر تاریخ اُردو، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور، ۱۹۸۵ء، ص ۳۷

۵۔ فرمان فتح پوری، ڈاکٹر، اُردو کی ظریفانہ شاعری، فیروز سنز، لاہور، ۱۹۸۸ء، ص ۲۱

۶۔ نثار احمد فاروقی، اُردو ادب میں طنز و مزاح کی روایت، مشمولہ، آج کل، شمارہ: 10، دہلی، ۱۹۷۴ء، ص ۳

۷۔ احمد رفائی، ڈاکٹر، ادب اور نقدِ ادب، خیابانِ ارمِ جاوداں، کراچی، ۲۰۰۱ء، ص ۱۶۵

۸۔ عبدالغفور، خواجہ، طنز و مزاح کا تنقیدی جائزہ، موڈرن پبلشنگ ہاؤس، دہلی، ۱۹۸۳ء، ص ۲۲۶

۹۔ غلام احمد فرقت کاکوروی، اُردو ادب میں طنز و مزاح، ص ۲۹

۱۰۔ جعفر زٹلی، کلیاتِ جعفر زٹلی، مرتبہ: ڈاکٹر محمد نعیم، ادبی اکادمی، علی گڑھ، ۱۹۷۹ء، ص ۱۸

۱۱۔ وہ نعمت خاں عالی ایسے حاضر جواب اور بذلہ سنج شاعر کے نواسے تھے۔

۱۲۔ فوزیہ چودھری، ڈاکٹر، اُردو کی مزاحیہ صحافت، سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۰۰ء، ص ۲۹

۱۳۔ وحید الدین سلیم، مولانا، افاداتِ سلیم، مرتبہ: مولوی محمد سردار علی، صحیفہ پریس، حیدر آباد، ۱۳۳۹ف، ص ۴۸

۱۴۔ غلام احمد فرقت کاکوروی، اُردو ادب میں طنز و مزاح، ص۳۹

۱۵۔ محمد عالم، ہنسیں، ہنسائیں ورنہ مسکرائیں، خزینہ علم و ادب، لاہور، س۔ن، ص۱۳

۱۶۔ فوزیہ چودھری، ڈاکٹر، اُردو کی مزاحیہ صحافت، ص۳۲

۱۷۔ علامہ نیاز فتح پوری نے اُنھیں "چٹکلاباز" شاعر کہا ہے۔

۱۸۔ انور سدید، ڈاکٹر، طنز و مزاح، مشمولہ، تاریخ ادبیاتِ مسلمانانِ پاکستان و ہند (جلد ششم)، پنجاب یونیورسٹی لاہور، ۲۰۱۴ء)، ص۴۷

۱۹۔ آسی، مولوی عبد الباری، تذکرۂ خندۂ گل، نگار مشین پریس، لکھنؤ، ۱۹۲۹ء، ص۵۰

۲۰۔ عبد الماجد، مقالاتِ ماجد، عشرت پبلشنگ ہاؤس، لاہور، س۔ن، ص۲۰

۲۱۔ احسن فاروقی، ڈاکٹر محمد، فریبِ نظر، مکتبۂ اُسلوب، کراچی، ۱۹۶۳ء، ص۱۷۴

۲۲۔ مظہر احمد، اُردو کی طنزیہ و مزاحیہ شاعری پر اکبرالہ آبادی کے اثرات، مشمولہ، فکر و تحقیق، جلد:۱۲، شمارہ:۱۰، جنوری تا مارچ ۲۰۰۹ء، ص۱۰۸

۲۳۔ حقی، شان الحق، نقد و نگارش، مکتبہ اُسلوب، کراچی، ۱۹۸۵ء، ص۲۰۲

۲۴۔ رشید احمد صدیقی، نقش ہائے رنگ رنگ (جلد اوّل)، مرتبہ: نظیر صدیقی، کاروانِ ادب، ملتان، ۱۹۷۷ء، ص۱۵۲